ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر محمد افضال بٹ
انچارج فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، جی سی ویمن یونی ورسٹی، سیالکوٹ

جنگ آزادی اور سرسید تحریک کے اردو ادب (نثر) پر اثرات ایک جائزہ

Dr. Muhammad Afzal Butt
In Charge Faulty of Arts & Social Science GC Women University, Sialkot.

An Overview of the Impact of the War of Independence and the Sir Syed Movement on Urdu Literature (Prose)

After the freedom war of 1857, when the Hindus and Muslims became aware politically, the question of language arose with full swing. Ali Gharrh movement of Sir Sayed which was political in nature, became the protostar of Urdu language and set a goal to make the fate of the Muslims better along with the progress and the spread of Urdu language. Therefore, the progress of Urdu under the supervision and support of Sir Sayed can never be neglected. In this movement along with Sir Sayed Ahmad Khan, Maulana Shibli Nomani added a new style in Urdu literature. It was because of Sir Sayed Ahmed Khan that nation got rid from the dilemma of religion and nationalism. The wave of awareness spread among the nation. The writers connected to the movement wrote about the Religion, politics, history and education which created a social awareness and real consciousness among the masses. The distress and disappointment of the nation last it’s breathe. Healthy and positive activities were promoted, the combination of rationalism and naturalism created such a literature which had great impact on overall literature and society.

Key Words: *Freedom war of 1857 Ali Gharrh movement, Sir Sayed Ahmad Khan, Maulana Shibli Nomani added a new style in Urdu literature, rationalism and naturalism created such a literature.*

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی سے پہلے اردو ادب کا اور اردو دانوں کا ایک دوسرا ہی ماحول تھا۔ شاعروں اور ادیبوں کے سرپرست عام طور پر امرا و روسا ہوا کرتے تھے۔ سماج میں نرمی، شیرینی اور آسودگی تھی۔ اسی لیے اس وقت کے ادب میں بھی ہمیں یہی عناصر ملتے ہیں۔ پھر جب سے انگریز حاکم ہوئے رفتہ رفتہ ظلم و جبر کا دور دورہ ہونے لگا۔ اس کے جواب میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ سارا شیرازہ بکھر گیا۔ ہر شے میں ایک انقلاب آ گیا۔ بقول پروفیسر احتشام حسین: بغاوت رونما ہوئی۔ پیہم غیر معین۔ غیر منظم۔ لیکن شدید قومی جذبے کی سلگتی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ چھوٹے بڑے بہت سے دربار جو شاعروں کے سرپرست تھے برباد ہو چکے تھے۔ اودھ کو جو فن تہذیب کا بڑا مرکز تھا ۱۸۵۷ میں انگریزوں نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ دہلی میں مغل حکومت صرف نام کی رہ گئی۔ ایک نئی سلطنت وجود میں آ گئی جس کی جڑیں سرزمین ہند میں نہ تھیں اور جو ہندوستانی تمدن سے بیگانہ تھی۔ یہ تضاد، یہ انتشار، پورے ہندوستانی سماج میں پھیلتا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے ظلم کا شکنجہ کستی چلی گئی۔ امتیازات بڑھنے لگے۔ دہلی اجڑ چکی تھی۔ لکھنوی تہذیب انگریزوں کے پیروں تلے روندی جا چکی تھی۔ ایسی حالت میں ادب کیسے بچ سکتا تھا۔ وہ بھی لپیٹ میں آیا۔ ادیب بھی پریشانی اور خستہ حالی کے بھنور میں پھنسے اور یہی خستہ حالی اور افسردگی ہمیں اس وقت کے ادب میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر کو گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔

۱۸۵۷ کے پر آشوب ہنگامہ کے بعد اردو ادب میں ایک انقلاب آفریں عہد کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بظاہر اس حادثے کا تعلق سماج اور سیاست سے تھا لیکن اس کے اثرات زندگی کے تمام گوشوں پر پڑے۔ ادب کا رشتہ سماج سے بڑا گہرا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی ادیب اپنے سماج اور اس کے نشیب و فراز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر ادب اپنے عہد کے سماجی اتار چڑھاؤ سے ہر حالت میں کسی نہ کسی شکل میں منسلک رہتا ہے۔ اس عہد کی صورت حال کے بارے میں علی عباس حسینی تحریر کرتے ہیں:

> ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا۔ یہ فوجی بغاوت میرٹھ سے شروع ہو کر چشم زدن میں جنگل کی آگ کی طرح یو-پی، بہار اور دلی میں پھیل گئی۔ بہت سے لوگ مارے گئے، ہزاروں خاندان تباہ ہوئے۔ مغل بادشاہ رنگون بھیجا گیا۔ دلی اجڑ گئی، لکھنؤ برباد ہوا، اور کلکتہ آباد۔ کمپنی کی حکومت ختم اور ملکہ کی فرمانروائی شروع ہوئی۔ (۱)

جنگِ آزادی سے قبل اردو ادب ایک مختلف ماحول سے منسلک تھا،شاعروں اور ادیبوں کے سرپرست عام طور پر امیر اور رئیس تھے۔ آرام پسندی اور عیش و عشرت معاشرے کا حصہ تھے۔ جاگیر دارانہ، سرمایہ دارانہ نظام کے اثرات کا غلبہ تھا چنانچہ ادب میں بھی اسی قسم کے اثرات اور عناصر دکھائی دیتے ہیں۔ داستانیں، طویل مثنویاں اور عشق و محبوب، حسن جمال سے بھر پور شاعری وغیرہ اس عہد کا نمایاں اثاثہ ہے۔اس عہد کی ادبی صورت حال کے بارے میں عتیق احمد رقمطراز ہیں :

> ادیب اور شاعر کے لیے اب یا خانقاہ اور حجرہ جائے پناہ تھے یا جاگیر دار کی ڈیوڑھی۔ چنانچہ ادب کچھ خانقاہی خرابیوں کی نذر ہوا اور کچھ جاگیر دارانہ عیاشیوں کا آئینہ دار بن گیا۔ ایک طرف اگر اس دور کی ادبی روایتوں میں ترک دنیا ،تصوف،دینیات کے پرچار اور جھوٹی اور غیر عملی اخلاقیات کا رواج ملتا ہے تو دوسری طرف اس کی عین ضد روایات ،ہوس پرستی ،شاہد بازی اور جنسی لذت پسندی اور امرد پرستی۔۔۔یہ تھا وہ پس منظر جس نے ہماری نسل ماضی اگلی نسل یعنی (۱۸۵۷ء کے بعد کی نسل) کو اجتہادی محرکات بہم پہنچائے۔ (۲)

۱۸۵۷ء کے حادثات نے پورے ہندوستانی سماج کا رخ تبدیل کر دیا۔ہندوستان کی سیاسی ،سماجی اور تہذیبی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہونے لگی۔انگریزوں نے انقلاب پر پوری طرح قابو پالیا اور سلسلہ وار انتقامی کاروائیاں شروع کر دیں۔ہندوستانی عوام کو سرعام قتل کیا گیا نہتے شہریوں، بچوں اور عورتوں کو بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ قتل وغارت کا بازار گرم کیا گیا عوام کا سیاسی اور سماجی وقار بالکل ختم ہو گیا۔ سماج تنزل اور ناآسودگی کی زد میں آچکا تھا۔پوری ہندوستانی قوم نہایت بے بس، لاچار مایوس اور بے یارومدد گار شکست خوردہ قوم بن کر رہ گئی۔

جنگ آزادی کے بعد ہندوستانی عوام کو ہمہ گیر انقلاب سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔اس انقلاب نے نئے مسائل اور نئے معاملات کو جنم دیا۔ جس سے نئے شعور اور نئے نظریات کی راہیں کھُلیں۔ جدید علوم نے لوگوں کے نظریات میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔یوں ایک نیا نظام فکر اور نیا نظام معاشرت ابھرنے لگا اور ہندوستانی ادب ایک انقلابی موڑ سے دوچار ہوا۔ محمد حسن اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۸۵۷ء کی لڑائی فکر و خیال کے طویل سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور چونکہ ادب بھی خیال اور جذبہ کا ہی نام ہے۔ اس لیے اس عہد کے فکری تانے بانے کو اس لڑائی نے جس طرح متاثر کیا تھا۔ وہ ادبی مورخ کے لیے بھی دل چسپی کا موضوع ہے۔ (۳)

کسی بھی معاشرے میں قتل و خون کے حادثات انسانی تذلیل اور ان کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں اور زیادتیوں کا اثر پورے سماج پر پڑتا ہے۔ چناں چہ جنگ آزادی کے بعد کے حالات نے ادبی مراکز کو بھی شدید متاثر کیا دلی اجڑ چکی تھی۔ لکھنوی تہذیب و معاشرت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس دور کے حالات و تہذیب کو بڑی سفاکی سے بے آبرو ہوتے ہوئے دیکھا تھا ان کے کلام میں اس عہد کی جھلک بخوبی نظر آتی ہے۔ وقت کے بادشاہ کا پابند سلاسل ہونا، اس کے بیٹوں کو بے رحمی سے قتل کرنا، ان کے سروں کو بہادر شاہ کے سامنے پیش کرنا۔ یہ تمام واقعات سفاکانہ فرنگیت کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب اس دور کے ادبی اور تمدنی روایات کے بہترین پیکر سمجھے جاتے ہیں اور جو بعض مقامات میں انگریزی پالیسی کے معترف بھی تھے۔ لیکن جب بغاوت اٹھی تو یہ بھی اس میں پسے بغیر نہ رہ سکے اور اس کے نمایاں اثرات ان کے خطوط اور ان کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً اردوئے معلی اور عود ہندی کے خطوط میں اس دور کے ہندوستانی سماج کی صحیح تصویر کشی کی گئی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر مسلمان ذہنی، عملی، سیاسی، ثقافتی، اقتصادی اور سماجی سطح پر اذیت ناکی کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کا صدیوں سے قائم اقتدار چھن چکا تھا۔ انگریز مسلمانوں کی طرف سے ہمیشہ بدگمان رہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں پر اقتصادی پابندیاں لگانے کے ساتھ ساتھ ان کی کردار کشی بھی کی جانے لگی۔ ہندوؤں نے جنگ آزادی مسلمانوں کا کارنامہ تھی کہہ کر انگریزوں سے قربت حاصل کر لی۔ وہ معاشی ذرائع پر قابض ہو گئے اور ان کا کاروبار بھی پھیلنے لگا جب کہ مسلمان مزید معاشی اور سماجی بدحالی کا شکار ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہندوستانی سماجیات میں ایک بڑی ہلچل تھی جس نے ایک طرف تو معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی سطح پر اثرات مرتب کیے تو دوسری طرف زبان و بیان کے فروغ میں بھی وسعت پیدا کر دی۔ اس زمانے میں انگریزی زبان و ادب نے ہندوستانی زبان و ادب پر اثرات مرتب کرنا شروع کر دیئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت کے استحکام کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور معاشرت کا اثر بھی تیز ہو گیا۔ لیکن انگریزی ناول سے ہمارے ادیب اس کے بہت بعد میں واقف ہوئے۔ اس وقت تک اردو میں داستان نگاری کا سلسلہ جاری تھا۔ اردو کی بہترین داستان "باغ و بہار" تو ۱۸۰۶ میں لکھی جا چکی تھی۔ ۱۸۲۴ میں مرزا رجب علی بیگ سرور نے اپنی معرکتہ الآرا داستان "فسانہ عجائب" کے نام سے تحریر کی اور جب جنگ آزادی کے بعد لکھنؤ میں نول کشور پریس قائم ہوا تو اس میں بھی داستان امیر حمزہ کے دفاتر اور دوسری داستانیں چھاپنے کا ہی اہتمام کیا گیا۔ اور اس غرض کے لیے لکھنؤ کے اچھے اچھے داستان نگار مطبع میں ملازم رکھے گئے۔۔۔۱۸۷۸ سے "اودھ پنچ" کا آغاز ہوا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ادب میں انگریزی افسانے کی درآمد شروع ہو گئی۔ چنانچہ اس کے مضمون نگاروں میں سرشار پہلے ادیب ہیں جنھوں نے انگریزی ناول پڑھ کر اردو میں اس صنف افسانہ کو باقاعدہ متعارف کرایا[۴]

مختصر یہ کہ ۱۸۵۷ کے بعد ادیبوں اور شاعروں نے سماج میں ایک نئی روح پھونکی۔ انھوں نے ادب کے حوالے سے قومیت، آزادی، مساوات، یگانگت وغیرہ کے پیغامات عوام تک پہنچائے ادب کی بنیاد مادی حقائق اور سماجی شعور پر قائم کر دی۔ ادب نے براہ راست زندگی اور اس کے مسائل سے نبرد آزما ہو کر مستقبل کی راہیں ہموار کرنا شروع کر دیں جس سے سماج کی ترقی اور بہتری کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ کے بعد رونما ہونے والے حادثات نے ہندوستان کے خارجی ماحول کو نمایاں حد تک تبدیل کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سماج میں باطنی تقلیب کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ سیاسی آزادی کے خیالات لوگوں کے ذہنوں میں مچلنے لگے۔ حب الوطنی کا جذبہ فروغ پانے لگا اور سیاسی طور پر منظم ہونے کا شعور بیدار ہونے لگا۔ ان حالات میں معاشرے کی رہنمائی کے لیے بالخصوص مسلمانوں کے لیے سرسید تحریک منظر عام پر آئی۔ یہ تحریک معاشرے میں معقولیت اور سائنسی نقطہ نظر پیدا کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ قوم میں ایک نئی خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کر سکے۔ اس کے بارے میں احتشام حسین تحریر کرتے ہیں:

> غدر کے بعد جس ادبی تحریک کا نشو و نما ہوا اس میں سرسید حالی، آزاد اور نذیر احمد کی شخصیتیں بہت نمایاں ہیں۔ اس نے نئی ادبی تحریک کی صرف ابتداء ہی نہیں کر دی بلکہ ہندوستانی ادب کے ساکن و جامد سمندر میں طوفان اٹھا دیا۔[۵]

سر سید کی روشن خیالی کے اثرات نے سارے ہندوستان کو متاثر کیا۔ ادب میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں اور بے بسی وافسردگی کی بجائے حرکت و عمل کے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے زیر اثر لکھنے والوں نے شعوری طور پر ادب کا رشتہ اپنے زمانے کی سیاست اور سماج سے قائم کیا۔ ادب کی تفریحی حیثیت کو تبدیل کر کے اسے اجتماعی مقاصد سے روشناس کرایا۔ ادب کا رخ تخیلات اور داخلیت سے موڑ دیا۔ اسے حقیقت پسندی اور خارجی زندگی کے مسائل کی ترجمانی کی راہ پر چلایا۔ ادب سے مذہبی سماجی، تہذیبی اور فکری اصلاح کا کام لیا جانے لگا۔ اردو میں مقصدی ادب کی روایت قائم ہو گئی۔ اس تحریک نے اردو ادب میں ایک نئی فکر، نئی تبدیلی، نئے جذبات کے ساتھ ایک نئی تحریر کا آغاز کیا۔

سر سید تحریک سے جدید ہندوستانی تحریک کی تعمیر و تشکیل بھی ہونے لگی۔ ادب دربار سے باہر نکلا اور لوگوں میں شامل ہو گیا ادیبوں اور دانشوروں نے نئے خیالات و نظریات سے ادب کو متعارف کرایا۔ ادب میں رفتہ رفتہ ایک خاموش انقلاب کی شکل نظر آنے لگی۔ ایک دور ختم ہوا۔ دوسرے دور کی تشکیل ہونے لگی عتیق احمد دوسرے دور کے بارے میں لکھتے ہیں:

> چنانچہ "جدیدیت" کو اپنانے اور "نیچریت" کو مشعل راہ بنانے کی رسم ڈال دی گئی اس دور کا شاعر اپنے آپ پر رونا ،ہنسنا اور طنز کرنا سیکھ گیا تھا۔ ماضی کے فنی رجحانات، لایعنی قوافی کی تکرار اور الہامی اور شاعرانہ ترنگوں، اظہار مقصد میں دانستہ مشکل گوئی اور الہام کی جگہ سہل زبان، منظر کشی اور حقیقت پسندی نے لے لی۔ عبوری دور کا یہ معاشرہ اب اپنے سیاسی مصلح، سماج سدھار کارکن اور سماج ہمدرد ادیب کی انگلی پکڑ کر آنے والے عظیم سیاسی انقلابوں کی راہ پر چل نکلا تھا۔(۶)

سر سید احمد خاں، حالی، شبلی، نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد سبھی کے مزاج میں انفرادیت تھی۔ نئی فکر روشن ذہنوں کے ساتھ ادب میں داخل ہوئی۔ سر سید احمد خاں نے قوم کی گرتی ہوئی حالت کا راز پا لیا۔ اپنی فکر کی روشنی میں قوم کی بہتری کے لیے کام شروع کر دیا۔ انھوں نے جدید علوم اور جدید فکر سے قوم کو روشناس کیا۔ تعلیم کے سلسلے میں سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام اور ایم اے او کالج قائم کیا۔ انھوں نے سیاسی سماجی اور اصلاحی تعلیم کے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ذریعے عوام کے ذہن میں روشن خیالی کی روش پیدا کی۔ ان اداروں میں مشرقی اور مغربی دونوں طرح کی تعلیم دی جانے لگی۔ جس سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں۔

> سرسید اور ان کے رفقائے کار کی جہد مسلسل سے تعلیمی، سماجی اور ادبی مورچے تسخیر ہوئے اور ان پر افکار نو کے پرچم لہرا دیے گئے۔ انھوں نے بدلے ہوئے حالات کا حل جدید تعلیم میں تلاش کیا۔ چنانچہ قومی امنگوں کا آئینہ دار بنانے کے لئے انھوں نے شدید مخالفتوں کے باوجود علی گڑھ میں جس درسگاہ کی بنیاد رکھی وہ ہندوستان میں ایک نیا تعلیمی تجربہ ثابت ہوئی اور بعد ازاں یونیورسٹی کے روپ میں پاکستان کی تحریک کے لئے سرگرم کارکن مہیا کرنے کا باعث بنی۔ (۷)

سرسید کی ان غیر معمولی کوششوں نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس عہد کے ممتاز شاعر اور ادیب اس تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ شبلی، حالی، نذیر وغیرہ سبھی سرسید سے متاثر تھے۔ سب کو مسلمانوں کی ابتر سماجی حالت کی فکر لاحق تھی۔ تحریک سے وابستہ ادباء نے اردو نثر کو اجتماعی مقاصد سے متعارف کرایا۔ عام اجتماعی زندگی کے لیے سہل اور سلیس کر دیا۔ وہ نثر جس میں مضمون اور معنی کو ثانوی اور طرز بیان کو اولیت دی جاتی تھی اس میں تبدیلی آگئی مرصع اسلوب کو موقوف کر دیا گیا۔ اردو نثر کو نئے دور سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مختلف موضوعات پر متنوع مضامین لکھے گئے۔

سرسید تحریک نے ہندوستانی عوام کے ذہن کو ایک نیا شعور اور آگہی عطا کی۔ انھوں نے پہلی بار قومیت اور آزادی کی اہمیت کو محسوس کیا۔ مشرقی اقدار اور مشرقی روحانیت کا برتر احساس پیدا ہوا۔ صنعتی اور مشینی ترقی نے شعور کو پہلے سے زیادہ جلا بخشی، ان تبدیلیوں کا ادب پر بھی گہرا اثر پڑا۔ سرسید تحریک سے وابستہ ادیب وشاعر نے مغرب سے آئی ہوئی نئی تہذیب اور ادب بھانپ لیا تھا۔ انھوں نے ہندوستانی سماج میں ہونے والی تبدیلی کا نہ صرف استعمال کیا بلکہ اپنے اپنے طور پر مثبت اور صحت مند کردار ادا کیا۔

سرسید تحریک کے محور و مرکز سرسید احمد خاں ایک ہمہ گیر شخصیت تھی۔ وہ جامع کمالات کے مالک سیاسی اور قومی رہنما تھے۔ ان کا مقصد قوم اور ملک کو جدید حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ سرسید نے باقاعدہ اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ جس میں ان کے رفقاء نے شعر و ادب میں بڑا کلیدی اور انقلابی کردار ادا کیا

۔سرسید احمد خاں نے ”تہذیب الاخلاق“ کے ذریعے نیا انداز فکر اور زاویہ حیات ادب کے ہر گوشے میں مرتسم کیا۔ جہاں تک نثر کا تعلق ہے وہ ابھی ارتقاء کی ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی۔زندگی کے حقائق اور کائنات کے وسائل کی ترجمانی کے لیے کوشاں تھی۔اس سلسلے میں فوٹ ولیم کالج کی سلیس نثر، دہلی کالج کی علمی نثر اور مرزا غالب کی شخصی ادبی نثر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بالخصوص مرزا غالب نے اردو نثر کے لیے خلوص کا راستہ ہموار کیا۔غالب کی نثر نے سرسید احمد خاں کے لیے بیان و اظہار کا راستہ صاف کیا جس کے اچھے اچھے نمونے سرسید کے مضامین میں دستیاب ہیں۔سرسید تحریک اردو کے پھیلاؤ میں اہم سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے جب ہندوستانی مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی تو اردو ہندی سوال بھی پوری شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آگیا۔سرسید کی علی گڑھ تحریک جو دراصل سیاسی نوعیت کی حامل تھی اردو کی بھی حامی بن گئی اور اس نے مسلمانوں کا مستقبل سنوارنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے فروغ و اشاعت کو بھی اپنا نصب العین بنالیا چنانچہ سرسید کی حمایت اور سرپرستی میں اس زبان کی جو ترقی ہوئی اسے تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔سرسید تحریک میں سرسید کے ساتھ مولانا شبلی نعمانی نے بھی اردو ادب میں ایک نیا انداز متعارف کرایا۔

محمد حسین آزاد نے بدلتے ہوئے ماحول میں آزاد نظم کی بنیاد ڈالی۔انھوں نے انگریزی طرز کی نظمیں لکھیں تمثیلی مضامین اور تنقیدی مضامین لکھے، زبان کی تاریخ اور لسانیات پر بھی کام کیا۔مولانا الطاف حسین حالی نے سوانح نگاری کی بنیاد ڈالی، ”مقدمہ شعر و شاعری“ لکھ کر شعر و ادب میں انقلابی صورت پیدا کر دی۔ذکاء اللہ نے تراجم کیے۔جبکہ نذیر احمد دہلوی نے ناول کی بنیاد ڈالی۔

سرسید تحریک کے تصوّرِ سماج کی بدولت قوم کو مذہب اور قوم پرستی کے الجھاؤ سے نجات ملی۔اس میں بیداری کی لہر پیدا ہوگئی۔تحریک سے وابستہ ادیبوں نے مذہب، سیاست، تاریخ، تعلیم و تربیت پر قلم اٹھایا جس سے حقیقی سماجی شعور اجاگر ہوا۔قوم کی مردہ دلی اور سوگواری ختم ہوئی۔صحت مند رجحان کو تقویت ملی۔عقل پسندی اور فطرت نگاری کے امتزاج سے ایسا ادب تخلیق ہوا جس نے ادب اور سماج پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔اردو میں توضیحی، استدلالی نثر کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مکالمہ نگاری، صحیفہ نگاری اور قصہ نگاری نے فروغ پایا۔

ادب کا مرکز و محور انسانیت ہوتی ہے۔ انسان بیک وقت مختلف قسم کے جذبات اور احساسات میں زندگی بسر کرتا ہے۔ راحت، اذیت، غمی، خوشی جمال و جلال، نیک و بد اس کے حصے ہوتے ہیں۔ ادب انسان کے انہی مختلف جذبات و احساسات کا مظہر ہوتا ہے۔ ان کے اظہار کے لیے ادب میں نظم اور نثر کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ نثری اصناف نے بدلتے ہوئے وقت اور ترقی یافتہ علوم افکار کی بدولت جدیدیت کی راہ کو اپنایا۔ جس میں بظاہر ناول، داستان اور قصہ گوئی کی جدید ترین ترقی یافتہ شکل ہے۔ لیکن اس جدید شکل کی تعمیر و تشکیل میں سرسید تحریک کے تصور سماج کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس تحریک نے جدید دور کے تقاضوں اور بدلتی ہوئی سماجی ادبی اور لسانی تہذیب میں اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔

ناول، تنقید، نظم اور افسانہ کے نئے تصورات مغربی ادب کی عطاہیں جو جدید عہد کی فضا میں مکمل ساز گار تھے۔ ناول سے پہلے داستانوں کا زمانہ تھا جن کی بنیاد مافوق الفطرت خیال آرائیوں پر قائم تھی۔ ناول جدید عہد کا عکاس تھا وہ براہ راست زندگی کی حقیقتوں سے نبرد آزما ہوا۔ سماج کی ترقی اور بہتری کی لیے وسیلہ بنا۔ داستان مقصد سے عاری ہوتی تھی جبکہ ناول بغیر مقصد کے نہیں ہوتا۔ ناول نے اس عہد کے سماج میں ایک نئی روح پھونکی مادی حقائق سماجی شعور، قومی آزادی، مساوات وغیرہ کے پیغامات عوام تک پہنچائے۔

سرسید تحریک کے تصور سماج نے اردو ادب پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ عوام کو داستانوں کی فرضی ،خیالی اور غیر حقیقی کہانیوں سے نجات دلائی۔ کہانی کے سفر کو ایک نمایاں اور تاریخی موڑ پر لا کھڑا کیا۔ سائنسی ترقی اور مادی وسائل کے تحت ایک نیا معاشرہ عمل میں آرہا تھا۔ انگریزی ادب کے ذریعے مغربی فکر و خیال سے متعارف ہو رہا تھا۔ ہندوستان کا ادب نئی طرز و فکر اور نئے تصورات کا آئینہ دار بن گیا۔ جس میں ناول کا وجود ایک خاص قسم کے سماجی نشیب و فراز کی وجہ سے اہم ہو گیا۔

اردو میں ناول نگاری کا آغاز جس شخص سے ہوا اس کا تعلق بھی سرسید تحریک سے تھا۔ سماجی حقیت نگاری میں اصلاحی قصہ گوئی کی جو روایت وجود میں آئی وہی بعد میں ہمارے ناول کی بنیادی روایت بنی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں ۱۸۵۷ء کے بعد جو تبدیلیاں آئیں ان میں سرسید تحریک نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

سرسید نے اپنے تعلیمی، سماجی، مذہبی، تہذیبی اور اصلاحی مشن سے اردو کے تمام باشعور افراد کو دعوت فکر دے کر ان میں جوش و امنگ پیدا کی اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کیا یہاں تک کہ ان کی تحریک نے خیالات اور

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

افکار کے تصادم کا عمل تیز تر کر دیا اور سیاست معاشرت، تہذیب و ادب غرض اردو نثر میں زندگی سے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سے لکھا جانے لگا اور ایک نئی ادبی فضا ساز گار ہوئی۔ جس نے موضوعات، اسالیب اور اصناف پر گہرا اثر ڈالا اور تحقیق کے نئے نئے محرکات وجود میں آئے۔ (۸)

سر سید تحریک سے اس دور کے ادب میں مقصدی اور افادی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس لئے تحریک سے وابستہ لکھنے والوں نے درباروں سے قائم رہنے والے صدیوں پرانے رشتے کا رخ موڑ کر سماج کی طرف کر دیا۔ سماجی اور اقتصادی سوچ کے آنے سے مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والی نا امیدی، مایوسی اور یاسیت کم ہونے لگی۔ حکمرانوں کے ساتھ بتدریج مفاہمت کی فضا پیدا ہونے لگی۔ یوں اردو ادب میں سر سید تحریک نے مقصدی ادب کی روایت قائم کر دی۔ اس دور کے ادیبوں کے ہاں اصلاح پسندی اور معاشرتی ذمہ داری کا احساس بھرپور دکھائی دیتا ہے۔ ان ادیبوں نے سماج میں عورت اور مرد کے مقام کا تعین کر کے ادب میں سماجی شعور کی روایت کو فروغ دیا۔

سر سید کا پیغام تھا کہ معاشرے کی اصلاح کے لیے مرد و زن کی اصلاح ناگزیر ہے۔ عورت کو جس معاشرے میں توقیر حاصل نہ ہو سکے وہ پنپ نہیں سکتا نذیر احمد، حالی کو لیجئے فرق سے قطع نظر یہی باتیں کہہ رہے تھے۔ (۹)

سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے نئے نظام فکر کو اپنایا۔ انہوں نے جدید علوم کو حاصل کرنے پر زور دیا۔ ان کا خاص مقصد فرسودہ رسم و رواج اور توہم پرستی کا خاتمہ، حقیقت پسندانہ شعور کو اجاگر کرنا، جدید تعلیم کے ذریعے ہندوستانی باشندوں کے ذہنوں کو روشن کرنا اور ان میں انسان دوستی، وطن پرستی اور آزادی کا جذبہ بیدار کرنا تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ظلم، بے انصافی اور غلامی سے سارا ہندوستان نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تمام تر کاوشیں اس جذبے کو ابھارنے پر صرف کیں۔

المختصر ۱۸۵۷ اور سر سید تحریک نے اردو ادب بالخصوص زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کر دیا۔ ادب کی تمام اصناف پر زندگی کے اثرات مرتب ہونے لگے سر سید، آزاد، حالی، شبلی، نذیر احمد اور دوسرے ادیبوں نے بدلتی ہوئی صورتحال پر گہری نظر رکھتے ہوئے مثبت اور صحت مند رول رول ادا کیا۔ بدلتے ہوئے وقت کے لحاظ سے نئی طرز فکر نئے تصورات اور خیالات کو جگہ دی۔ اردو نثر میں ناول ایسی ہی تاریخی اور انقلابی تبدیلیوں کی بدولت معرض وجود میں آیا جس کی ابتدا نذیر احمد دہلوی کے اصلاحی قصوں سے ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ علی عباس حسینی" ناول کی تاریخ اور تنقید" لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۲۰۲

۲۔ عتیق احمد" ہمارے ادب کے جدید رجحانات" مشمولہ" پاکستانی ادب" (جلد پنجم) مرتبین رشید امجد، فاروق علی، ایف۔جی سرسید کالج، راولپنڈی، جنوری ۱۹۸۶ء، ص ۶۲۰، ۲۱

۳۔ محمد حسن، ڈاکٹر" شعر نوح" فروغ اردو، لکھنؤ، ۱۹۶۱ء، ص ۳۲

۴۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر" ناول نگاری اردو ناول کی تاریخ و تنقید" مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۴۷، ۴۶

۵۔ احتشام حسین، سید" ترقی پسندیت کی روایت" مشمولہ" نیا دور" بنگلور، نومبر ۱۹۴۴ء، ص ۱۰۵

۶۔ عتیق احمد" ہمارے ادب کے جدید رجحانات" مشمولہ" پاکستانی ادب" (جلد پنجم)، ص ۶۲۱

۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر" اردو ادب کی مختصر تاریخ" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۹۱

۸۔ طیبہ خاتون، ڈاکٹر" اردو نثر کی داستان" ارسلان بکس، علامہ اقبال روڈ، میرپور آزاد کشمیر، ۲۰۰۳ء، ص ۷۸

۹۔ سید معین الرحمان، ڈاکٹر" مطالعہ یلدرم" نذر سنز، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۴۰